Discussions on aesthetic in Alighar

(Special Studies: Prof. Suriya Hussain, Qazi Jamal Hussain and Qazi Abdul Sattar)

علی گڑھ میں جمالیات کے مباحث

(بحوالہ: پروفیسر ثریا حسین، قاضی جمال حسین اور قاضی عبدالستار)

عبدالبصیر
پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریایونیورسٹی، ملتان
ڈاکٹر قاضی عبدالرحمن عابد
پروفیسر، شعبہ اردو، بہاءالدین زکریایونیورسٹی، ملتان

Abstract

The Scholars of Sanskrit put the base of aesthetics 3000 B.C. ago in India. These scholars paid special attention to music, painting and poetry and set the poetics of knowledge. In the present age, the scholars of Aligarh, specially Dr. Surayya Hussain, Qazi Jamal Hussain and Qazi Abdul Sattar have their own specific viewpoint in this topic. In this paper, the discussion of these scholars about the concept of aesthetics philosophy of beauty, philosophy of art, poetics and values have been presented.

Key words: Aesthetics, poetics, intuition, values, Aligarh, Dr. Surayya Hussain, Qazi Jamal Hussain, Qazi Abdul Sattar, philosophy of beauty, philosophy of art, subjectivity, objectivity, archetype.

ہندوستان میں جمالیات کے علم کی بنیاد تین ہزار سال قبل مسیح سنسکرت علماء نے رکھی۔ ان علماء نے موسیقی، مصوری اور شاعری پر خصوصی توجہ دی اور اس کی شعریات متعین کیں۔ موجودہ دور میں علی گڑھ کے مفکرین بالخصوص ڈاکٹر ثریا حسین، قاضی جمال حسین اور قاضی عبدالستار اس باب میں اپنا خاص نقطۂ نظر رکھتے

ہیں۔ اس مضمون میں جمالیات کے مفہوم، فلسفہ حسن، فلسفہ آرٹ، شعریات اور اقدار کے بارے میں ان علماء کے مباحث کو پیش کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ: جمالیات، شعریات، وجدان، اقدار، علی گڑھ، ڈاکٹر ثریا حسین، قاضی جمال حسین،
قاضی عبد الستار، فلسفہ حسن، فلسفہ فن، موضوعیت، معروضیت، آثار قدیمہ

....

اردو میں جمالیات کا لفظ انگریزی زبان کے لفظ Aesthetics کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ جرمن نقاد بام گارٹن (١٧١٤ء۔ ١٧٦٢ء) نے سب سے پہلے یونانی لفظ "Aesthesis" سے یہ لفظ اخذ کیا۔ بام گارٹن نے "Aesthetic" کو حسی ادراک کے علم کے معنی میں استعمال کیا۔ قدیم مغربی اور یونانی مفکرین سے لے کر جدید عہد کے مفکر کروچے تک کے افکار اس علم کے بارے میں ملتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی کئی مفکرین نے جمالیات کے بارے میں اپنی فکر کو پیش کیا ہے لیکن اس مقالہ میں صرف علی گڑھ یونیورسٹی کے مفکرین کے نظریات کو تحقیقی و تنقیدی پیرائے میں دیکھا جائے گا۔

پروفیسر ثریا حسین علی گڑھ میں درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ انہوں نے یونیورسٹی آف پیرس سے "ڈی لٹ" کی ڈگری حاصل کی۔ ان کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ وہ مغربی اور مشرقی ادب پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ جمالیات کے باب میں ان کو مغربی فکری پر دسترس حاصل ہے۔ ان کی اس موضوع پر دو کتابیں "جمالیات اور ادب" اور "جمالیات شرق و غرب" بہت اہم ہیں۔ پروفیسر ثریا حسین کے جمالیات کے بارے میں افکار کو ہم درج ذیل سوالوں کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جمالیات کا مفہوم کیا ہے؟ فلسفہ حسن اور فلسفہ ٔفن؟ جمالیاتی اور غیر جمالیاتی رویہ؟ جمالیاتی قدر وغیرہ۔ پروفیسر ثریا حسین لکھتی ہیں:"جمالیات حسن و فن کا فلسفہ ہے۔ حسن سے دلوں کو

نور و کشور حاصل ہوتا ہے اور فن انسانی جذبات و تاثرات کے اظہار کا موثر وسیلہ ہے۔"(۱) ثریا حسین جب فلسفہ حسن کی بات کرتی ہیں تو اس ضمن میں دو باتوں کا ذہن میں آنا فطری ہے۔ اول: حسن موضوع اور معروض۔ موضوع کا مطلب یہ ہے کہ حسن شاہد کی آنکھ میں ہوتا ہے اور اس کا تعلق شاہد کی جمالیاتی حس، قوتِ ادراک اور وجدان سے ہوتا ہے۔ کروچے، کولنگ وڈ اور کیرٹ وغیرہ اس نظریہ کے قائل ہیں۔ اس کے مقابل دوسرا نظریہ معروض کا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حسن اشیائے قدر میں ہوتا ہے اور جب شاہد اس کو دیکھتا ہے تو اس سے حظ حاصل کرتا ہے۔ حسن معروض کی بنیادی شرائط میں توازن، ربط اور یکسانیت شامل ہیں۔ یونانی مفکرین اس نظریہ کے قائل تھے۔ جمالیاتی حظ کے بارے میں فاخر حسین لکھتے ہیں "جمالیاتی نشاط اس کیفیت کا نام ہے جو دیکھنے اور سننے والے کے ذہن میں اس صورت کی شناسائی پیدا کر دے۔"(۲) حسن معروض کے باب میں مفکرین دو حصوں میں تقسیم ہیں۔ کانٹ، برگساں، کیرٹ اور دیگر کا خیال ہے کہ قدرتی تناظر جیسے آبشار، ندیاں اور بلبل کے ترنم میں جمالیاتی تجربہ کی نشاط موجود ہے لہٰذا وہ حسن فطرت کو جمالیات کا حصہ سمجھتے ہیں۔ دوسرا گروہ ہیگل، کروچے وغیرہ کے نزدیک حسن فطرت میں شعور کا فقدان ہے اور شعور اور احساسات کے بغیر حسن کا تصور ممکن نہیں۔ یہ علماء حسن فطرت کی بجائے فن کو جمالیات کا موضوع سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک فن چونکہ فطرت کی تکمیل کرتا ہے اور یہ انسانی جذبات کے اظہار کا نام ہے لہٰذا جمالیات کا موضوع فن ہے۔ ثریا حسین جمالیاتی اور غیر جمالیاتی رویہ کے باب میں لکھتی ہیں کہ جمالیاتی رویہ سے ہم حسن سے لطف اور انبساط حاصل کرتے ہیں اور اپنے قوت مشاہدہ، تجربہ اور جمالیاتی حسن کو بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ جمال سے حظ اٹھانے کے ذرائع ہیں جبکہ غیر جمالیاتی رویہ ہمیں منفعت کی طرف لے جاتا ہے۔ جمالیاتی ناقدین کے نزدیک حسن سے افادہ یا مقصد کی امید اس کو حسن نہیں رہنے دیتے چنانچہ John Hospers (1918ء) اپنے مضمون Aesthetic Attitude میں لکھتے ہیں "جمالیاتی رویہ عموماً عملی رویہ کے متصادم ہے جس کا مطلب صرف معروض میں فائدہ دیکھنا ہے۔"(۳)

فلسفۂ فن کے حوالے سے ویوٹ پارکر کی تین شرائط کو ثریا حسین پیش کرتی ہیں[۱] تخیل اور وجدان کے ذریعے خوشی اور مسرت کا سبب ہو۔[۲] فن پارہ اجتماعی شعور کی عکاسی کرتا ہو۔[۳] فن میں ہم آہنگی، تناسب اور ربط ہو۔ جہاں تک فن میں تخیل اور وجدان کا تعلق ہے تو اس پر جمالیات کا ایک طاقتور جدید نظریہ قائم ہے۔ کروچے فن کو وجدان کا اظہار کہتا ہے اور اس کے نزدیک قاری جب فنکار کے وجدان تک پہنچ جاتا ہے یعنی ان میں ہم احساسی اور ہم گدازی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ فن کا ابلاغ ہوتا ہے چنانچہ کروچے فن (Art) کو وجدان اور vision کہتا ہے ''فنکار کوئی تصویر بناتا ہے اور جو کوئی اس فن سے خوشی حاصل کرتا ہے وہ اس گیان کو پالیتا ہے جس گیان کو فنکار نے پیش کیا ہے۔''(۴)

جہاں تک فن پارے کے اجتماعی شعور کی عکاسی کا تعلق ہے۔ پروفیسر ثریا حسین کے نزدیک کوئی بھی فنکار وہ اپنے معاشرے، ثقافت اور تہذیب کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ فنکار اپنی تخلیق کی اساس ماضی کی بڑی تہذیبوں یا ان کے فنون سے بھی اٹھاتا ہے لیکن اس کی اپنی تخلیق میں بہر حال اس کے معاشرے کی جھلک ہوتی ہے۔ جب ہم فن کو جمالیات کے تحت مطالعہ کرتے ہیں یہاں فن سے مراد فنونِ لطیفہ ہے۔ یعنی فنِ تعمیر، مصوری، سنگتراشی اور موسیقی وغیرہ جہاں تک ہندوستان میں فنونِ لطیفہ کا تعلق ہے تو یہاں فنِ تعمیر، مصوری اور موسیقی کو مقدم سمجھا گیا ہے۔ سنسکرت علما، موسیقی اور ڈرامہ کو بھی دراصل شاعری کا حصہ سمجھتے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ہندوستان میں فنونِ لطیفہ کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی مغربی اور بالخصوص یونانی تہذیب کے فنون کی۔ لیکن پھر کیا بات ہے کہ ہندوستان میں گزشتہ ایک ہزار سال سے فنونِ لطیفہ میں کوئی خاطر خواہ کام نہ ہو سکا بلکہ ہندوستان اپنے ورثہ کو بھی نہ سنبھال سکا۔ چنانچہ ول ڈیورانٹ لکھتے ہیں: ''ہمارے ہاں شکستہ حال اندراج، ہند کی سستی کی وجہ سے نہیں بلکہ جنگ اور مسلمانوں کے نشۂ بت شکنی کی وجہ سے ہے جس نے فن کے اَن گنت شاہکار مندر اور مجسمے نیست و نابود کر دیے۔''(۵) جب ہم دنیا کی تاریخ میں آرٹ کی ابتداء کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں بدھ مت آرٹ، یونانی آرٹ

کے اثرات کہیں نہ کہیں موجود ہیں بلکہ ثریا حسین اس باب میں اساطیر کے اثرات کا ذکر بھی کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک قدیم اساطیر نے بھی دنیا کے فنکاروں کے آرٹ اور اس کے اسلوب کو متاثر کیا ہے۔ پانچویں صدی تک بدھ مت اور یونانی آرٹ ایشیاء یعنی چین تک پہنچ چکے تھے۔ ہندوستان میں اس وقت گپتا آرٹ اپنے عروج پر تھا۔ ساتویں صدی میں جب چین میں Landscape آرٹ شروع ہوا تو اس میں تخیل، وجدان اور ادراک کے وسیع تجربے ملتے ہیں۔ چینی جمالیات میں دو نظریات کو بنیادی اعتبار حاصل ہے۔ ''تاؤ کا نظریہ'' جس کی رُو سے چینیوں نے ''روح فطرت'' کو اپنے آرٹ میں پیش کیا۔ دوسرا نظریہ ''زین'' یعنی دھیان کا ہے۔ پروفیسر ثریا حسین اس نظریہ کی اساس ہندوستان کو قرار دیتی ہیں۔ اسی طرح جاپانیوں کے آرٹ میں بدھ مت اور چین کے نظریات کا عکس ہے۔ جاپانی مصوری کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ بازنطینوں کے بیشتر جمالیاتی نظریات افلاطون اور ارسطو کی فکر پر قائم تھے۔ انہوں نے زمانہ قدیم کے یونانی آرٹ کی پیروی کی لیکن ان کے آرٹ میں مذہبی اور مسیحی خیالات زیادہ تھے۔ ثریا حسین لکھتی ہیں: ''یونانی اور رومن کلاسیکل آرٹ کی ارضیت کی بجائے بازنطیم کا آرٹ مذہبی اور آسمانی قوانین کا تابع تھا۔''(۶) لیکن پندرہویں صدی عیسوی میں آرٹ کے خلاف ایک توانا آواز بلند ہوئی اس آواز نے آرٹ سے مقصدیت اور مذہبی جبر کو نکال باہر کیا۔ اس دور میں مائیکل اینجلو (۱۵۶۹ء۔ ۱۴۷۵ء)، رفائیل (۱۵۲۰ء۔ ۱۴۸۲ء) نے آرٹ میں نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی۔ اس دور میں قدرتی حسن، فن تعمیر اور موسیقی میں حقیقت پسندانہ نظریات کو شامل کیا اور Nude Art کو ترقی دی چنانچہ Klark (۱۹۳۰ء) لکھتے ہیں ''ایک عمارت کی طرح Nude ایک مثالی ڈیزائن اور عملی ضروریات میں توازن کو ظاہر کرتا ہے۔''(۷) اس دور کی اہم بات یہ ہے کہ عیسائیت دو مکاتب فکر میں بٹ چکی تھی کیتھولک مکتبہ فکر کے علماء حسن فطرت اور فنونِ لطیفہ میں لطف حاصل کرتے تھے اور پروٹسٹنٹ فرقہ کے علماء مذہب کی طرف لگاؤ رکھتے تھے۔

قاضی جمال حسین کا تعلق علی گڑھ کے علماء سے ہے۔ انہوں نے ہندوستان میں جمالیات کے مختلف نظریات بالخصوص شاعری اور شعریات کے باب میں اہم کام کیا ہے۔ ان کی کتاب ''جمالیات اور اردو شاعری'' اس موضوع پر منفرد کتاب ہے۔ قاضی جمال حسین تین بنیادی نوعیت کے سوال اٹھاتے ہیں۔[۱] جمالیات نفسیاتی اور مابعد الطبیعاتی علم ہے۔[۲] جمالیاتی تجربہ تغیر پذیر ہے۔[۳]فنونِ لطیفہ کے لیے جمالیات کے پاس کوئی مدلل اور حتمی قانون نہیں ہیں۔

پہلے سوال کے باب میں علماء جمالیات یہ دلیل دیتے ہیں کہ جمالیات باقاعدہ علم کا شعبہ نہیں ہے بعض کے نزدیک یہ احساسات اور جذبات کا علم ہے اور بعض اس کا تعلق نفسیاتی اور مابعد الطبیعات سے جوڑتے ہیں کیونکہ نفسیات اور مابعد الطبیعات میں کافی قدریں مشترک ہیں لہٰذا یہ مابعد الطبیعاتی علم ہے۔ دوسرے سوال کے زیر اثر جمالیات چونکہ حسن کا مطالعہ اور تفہیم ہے اس بنا پر جمالیاتی حسن اور تجربہ مختلف لوگوں کا مختلف ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک متغیر علم ہے۔ تیسرے سوال میں علماء یہ دلیل دیتے ہیں کہ جمالیات کو اگر فن تک محدود کر دیا جائے تو فن میں بھی فنونِ لطیفہ شاعری، مصوری، فنِ تعمیر وغیرہ اہم ہیں چنانچہ ان علوم کے اپنے اپنے قاعدے اور اصول ہیں۔ لہٰذا جمالیات کے پاس کوئی متفقہ اصول فن کے باب میں نہیں ہے جس پر تمام فنون کو پرکھا جاسکے۔ قاضی جمال حسین فن کی تقسیم میں ہیگل کے اصول کو پیش کرتے ہیں۔ ہیگل نے فنون کو تین حصوں[۱] رمزی[۲] کلاسیکی اور[۳] رومانی ۔۔۔میں تقسیم کیا ہے۔ فنِ تعمیر کا تعلق رمزی فن سے ہے۔ سنگ تراشی اور مجسمہ سازی کلاسیکی فن ہے اور شاعری، موسیقی اور مصوری رومانی فن ہے۔ فن کے باب میں ہیگل ارتقاء کا قائل ہے لیکن حیرت انگیز طور پر وہ یونانی فن کو پسند کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ اپنے ہی نظریے کی نفی کرتا ہے کہ اگر فن ارتقاء پذیر ہے تو ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی یونانی فن مثالی کیوں ہے؟ جبکہ جمالیات کے نظریات تو خود تغیر پذیر ہیں۔ یہ معاشرت، تہذیب اور ثقافت کے مطابق ڈھلتے رہتے ہیں گویا ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی لوگوں کے مزاج اور شعور میں کوئی تبدیلی

نہیں آئی۔ یہ حقیقت سے کوسوں دور ہے۔ فنِ تعمیر کو دیکھ لیں آج مختلف نوع کے symbols اور Design وجود میں آچکے ہیں اور انسان معاشی حوالے سے بھی پتھر کے زمانے سے کٹ گیا ہے اور زیادہ سہولت کے ساتھ رہ رہا ہے اور جدید دور کا طاقتور ترین نظریہ ساز مارکس معاشی بنیادوں پر فن کے ارتقاء کی بات کرتا ہے۔ مارکس (۱۸۸۳ء۔ ۱۸۱۸ء) اپنے مضمون ''Art and History'' میں لکھتے ہیں: ''معاشرہ مادی بنیادیں رکھتا ہے جن پر سماجی اور ثقافتی ادارے، قانون، سیاست، مذہب، اطوار، سائنس، آرٹ تشکیل دیے جاتے ہیں۔''(۸) جمال حسین تین ادوار کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ ''بھرت منی'' کی ناٹیہ شاستر کو ہندوستانی شعریات کا پہلا دور کہتے ہیں اور یہ تیسری صدی قبل مسیح کا ہے۔ دوسرا دور ''بھامہ'' کا ہے۔ اس دور میں (النکار) نظریات کو بہت زیادہ پذیرائی ملی اور لفظ و معنی کی اہمیت کو اظہار کا ذریعہ سمجھا گیا۔ تیسرا دور ''آچاریہ بھرت'' پنڈت ناتھ اور جگن ناتھ وغیرہ ایسے علماء کا ہے۔ جگن ناتھ بہت بڑے شاعر تھے اور ان کی دو حصوں پر مشتمل کتاب ''گنگادھر'' ہے۔ ہندوستانی شعریات میں اس کا نظریہ، دھونی کا نظریہ اور وکروتی نظریہ بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ قاضی جمال حسین اس کی تخلیق کے چار اسباب بتاتے ہیں۔ ''وبھاؤ'' یہ رس حسن فطرت، خیالات اور احساسات سے پیدا ہوتا ہے۔ ''انوبھاؤ'' جذبات، خیالات کے ردعمل کے طور پر جو رس حاصل ہوتا ہے اس کو ''انوبھا'' کہتے ہیں اور پھر یہ جذبات جب الفاظ کا روپ اختیار کر لیتے ہیں تو اس کو ''مکالماتی انوبھاؤ'' کہا جاتا ہے۔ جذبۂ مستقل کا تعلق انسان کی ''Archetype'' سے ہے۔ انسان اپنے لاشعور میں جو تصورات اور خیالات رکھتا ہے۔ یہ دراصل انسانی نفسیات اور اس کے تاریخی شعور پر مشتمل جذبہ ہے۔ اوپر لفظ و معنی کی اہمیت کے بارے وکروکتی کا نظریہ ہے۔ وکروکتی علماء نے ردعمل کے طور پر پیچیدہ اظہار کا نظریہ پیش کیا۔ ان پیچیدہ الفاظ کا تعلق زمانہ قدیم کی اساطیر سے ہے۔ حکماء ''وکروکت'' کی Form کو ان تین حصوں میں پیش کرتے ہیں۔ [۱] پیچیدہ الفاظ غیر روایتی ہوتے ہیں۔ [۲] وکروکت کلام حظ کا سبب ہوتا ہے۔ [۳] وکروکت شاعری میں وجدان کو خاص مقام حاصل ہے۔ جیسے اردو شاعری میں مجید امجد، بلراج کومل اور ظفر اقبال نظم اور غزل دونوں میں اپنے تجربات اور

مشاہدات کو تخیل اور وجدان کے ذریعے عمومی روایت سے ہٹ کر پیش کرتے ہیں۔ قاضی جمال حسین کومل بلراج کے حوالے سے لکھتے ہیں:''الفاظ اول ہیں اور الفاظ آخر اور نظم کے لیے ضروری نہیں کہ وہ معنی پیش کرے بلکہ اتنا کافی ہے کہ وہ نظم ہو۔''(۹) قاضی عبد الستار جمالیات کے اہم نقاد اور عالم ہیں۔''جمالیات اور ہندوستانی جمالیات''ان کی اہم کتاب ہے۔ وہ مغربی مفکرین کے نظریات کو مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں۔ کچھ مفکرین جیسے لابنیز، والف وغیرہ جمالیات کو سائنس اور منطق کے اصولوں سے منطبق کرتے ہیں۔ ہیگل جمالیات کو فنونِ لطیفہ کا علم قرار دیتا ہے۔ بام گارٹن اس کو حواس کا علم ان تمام مکاتب فکر کی آراء کے بعد قاضی عبد الستار بنیادی نوعیت کے تین سوال اٹھاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:''سائنس دان کا سوال قدر جمال کی ناپ تول، ماہر نفسیات کا سوال ذہنوں کی مقدار، تاثیر اور فلسفی کا سوال کہ جمالیاتی جواب کس سطح پر دوسرے انسانی جوابات سے مختلف ہے۔''(۱۰)

درج بالا عبارت کے تناظر میں سائنسی مکتبہ فکر کے مطابق حسن فطرت کا سائنسی اور ریاضیاتی اصولوں کے مطابق مقدار اور معیار کا اندازہ لگانا چاہیے لیکن پیکر جمال سے حظ حاصل کرنا ایک موضوعی صفت ہے۔ اس کا پیمانہ تو مقرر نہیں البتہ رنگ، Form اور ترنم کو حواس کے ذریعے ہی محسوس کیا جاسکتا ہے اگر ہم شاہی قلعہ لاہور کو دیکھیں تو مختلف لوگوں کا جمالیاتی تجربہ مختلف ہوگا جس کا پیمانہ مقرر نہیں اور حاصل شدہ ''حظ'' کو پیمائش نہیں کیا جاسکتا۔ یہی صورت حال ماہرین نفسیات کے ساتھ ہے۔ ضروری نہیں کہ ایک عام انسان کا جمالیاتی تجربہ اور ماہر نفسیات کا تجربہ ہم احساس اور ہم گداز ہو کہ وہ پرکھ سکے کہ ایک آدمی نے شاہی قلعہ سے کس قدر حظ حاصل کیا ہے چنانچہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے جبکہ علماء اس کا تعلق جمالیات سے جوڑتے ہیں اور اس علم میں مزاح کے عنصر کی کمی ہے۔ مشل فوکو لکھتے ہیں:''اس کتاب میں میری لڑائی نفسیات میں حسِ مزاح کے عنصر کی کمی'' سے ہے۔''(۱۰) چنانچہ اب لے دے کر ایک فلسفہ ہی رہ جاتا ہے اور فلسفہ ایک ایسا علم ہے جس میں ہر علم کی گنجائش موجود ہے اور یہ انسانی زندگی اور اس کے ماحول سے مطابقت پیدا کرتا ہے اور انسان اپنے جذبات کو تخیل اور وجدان کے ذریعے پیش کرسکتے ہیں چنانچہ

ہیگل وہ پہلا فلسفی ہے جس نے اپنی کتاب ”فنونِ لطیفہ “ میں جمالیات کا تعلق اس فن سے رکھا ہے۔ جس کا تعلق ”فنونِ لطیفہ سے ہے بعد میں ونکل مان، لینگر جیسے مفکرین نے ہیگل کی اتباع کی ہے۔ چنانچہ ہندوستانی جمالیات کی اساس بھی فنونِ لطیفہ پر ہے۔ہندوستان کے مفکرین فنونِ لطیفہ کو فن تعمیر، موسیقی اور فن شاعری سے جوڑتے ہیں اور سنسکرت علماءڈرامہ کو بھی شاعری کا حصہ خیال کرتے ہیں۔ عنبر بہرائچی لکھتے ہیں:”سنسکرت شعریات میں ڈرامہ کو شاعری ہی کا ایک حصہ تسلیم کیا گیا ہے۔“(۱۱) ہندوستان میں جمالیات کے باب میں ایک بات بہت اہم ہے کہ یہاں فنون کا اجتماعی، مذہبی اور معاشرتی زندگی سے گہرا ربط اور واسطہ رہا ہے۔ لہٰذا فنکار سے ہمیشہ یہ امید رکھی گئی ہے کہ وہ اپنی تخلیق میں کس چیز کو کس انداز میں پیش کر رہا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر ظہیر کاشمیری ایک عنصر کے حوالے سے لکھتے ہیں:”احساس اور جذبات کی تہذیب“(۱۲) گویا ہندوستانی فنون کو تہذیب کا پابند کیا گیا ہے۔ قاضی عبدالستار اپنے نظریہ جمال میں ہندوستانی شعریات کے باب میں رسوں کو بہت زیادہ اہم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستانی علماء نے ان ”رسوں“ کے بارے میں گہرائی اور گیرائی سے تحقیق کی ہے۔ وہ شاعری اور ڈرامہ کی تنقید کے لیے آٹھ بنیادی رسوں کا ذکر کرتے ہیں۔ ان رسوں میں ”شرنگار رس“ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ یہ رس احساس جمال سے لیکر انسانی خواہشات اور جذبہ عشق پر معیاری ہے اور شاعری میں بالخصوص اردو شعراء نے اس کو استعمال کیا ہے۔اس کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ محبت انسانی زندگی کا سب سے اہم اور مفید جذبہ ہے اور شعراء نے شاعری میں اس جذبہ کو پیش کیا ہے۔ چنانچہ ایک عام انسان کے اظہار اور فنکار کے اظہار میں یہی فرق ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخیل، وجدان اور حواسی جذبات سے ایسا فن پارہ تشکیل دیتا ہے کہ ہم احساسی اور ہم گدازی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ فنکار اس تخلیق میں بسااوقات تشبیہ، استعارہ اور علامت بھی شامل کر دیتا ہے چنانچہ کانٹ علامت کے توسط سے ہی زمانہ قدیم کے معاشرے کی حقیقت کو کھوجنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ قاضی عبدالستار لکھتے ہیں:”علامت نگاری ایک حقیقت کو متعلقہ سیاق وسباق میں اس طرح پیش کر دیتی ہے کہ دوسری حقیقت خود بخود پیش ہو جاتی ہے۔“(۱۳) چنانچہ یہاں سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ

علامت نگاری کے استعمال کے اسباب و علل کیا ہیں۔ سیاسی حوالے سے تو یہ عموماً جدید عہد میں ترقی پذیر معاشروں میں استعمال ہوتی ہے۔ ادبی حوالے سے موضوع کو واضح کرنے، پوشیدہ اور دبے ہوئے تصورات کے اظہار کے لیے اور اکثر فنکار فن پارے کی خوبصورتی کے لیے بھی علامت کو استعمال کرتے ہیں اردو دنیا میں انتظار حسین، غلام عباس اور منٹو کے "چچا سام" کے نام خطوط ایسی تحریروں میں اس صنف کو استعمال کیا گیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ ثریا حسین، جمالیات اور ادب،(علی گڑھ: لیتھو کلر پرنٹس،۱۹۷۹ء)،ص ۱۱

۲۔ فاخر حسین، مضامین جمالیات(لاہور: نگارشات،۱۹۸۸ء)،ص ۴۰

3. Melvin Rader, **A Modern Book Of Esthetics**, (London: Holt Rinehart And Winston, 1973), P397

i.e. "The Aesthetic attitude is most commonly opposed to the practical attitude, which is concerned only with the utility of object".

4. Melvin Rader, **A Modern Book Of Esthetics**, P75

۵۔ ول ڈیورانٹ، ہندوستان(تاریخ، تہذیب، تمدن، فلسفہ)،(لاہور: تخلیقات،۱۹۹۶ء)،ص ۲۲۶

۶۔ ثریا حسین، پروفیسر، جمالیات شرق وغرب،(علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۸۳ء)،ص ۹۷

7. Melvin Rader, **A Modern Book Of Esthetics**, P392

i.e. like a building the nude represents a balance between an ideal scheme and functional necessities."

8. Melvin Rader, **A Modern Book Of Esthetics**, P464

i.e. Society has an economic foundations upon which the culture and social institutions law, politics, religion, manners, science art are constructed.

۹۔ قاضی جمال حسین، جمالیات اور اردو شاعری،(لاہور: عکس پبلشرز،۲۰۱۹ء)،ص ۱۹۵

10. Michel Foucault, Madness and civilizations, (New York: London House, 1977), P-73

i.e. my only quarrel with the book is the lack of emphasis on the humoristic element in psychoses.

۱۱۔ عنبر بہرائچی، سنسکرت شعریات،(لکھنؤ: یونائیٹڈ بلاک پرنٹس،۱۹۹۹ء)،ص ۲۹

۱۲۔ ظہیر احمد صدیقی، ادب میں جمالیاتی اقدار۔ ایک مطالعہ (علی گڑھ: مکتبہ الفاظ،۱۹۷۹ء)،ص ۵۱

i.e. A culture of senses and affections.

۱۳۔ قاضی عبد الستار، جمالیات اور ہندوستانی جمالیات (علی گڑھ: ادبی پبلی کیشنز،۱۹۷۷ء)، ص ۴۷

مآخذات

ثریا حسین، پروفیسر، جمالیات اور ادب،(علی گڑھ: لیتھو کلر پرنٹس،۱۹۷۹ء)
ثریا حسین، پروفیسر، جمالیات شرق وغرب،(علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۳ء)
ظہیر احمد صدیقی، ادب میں جمالیاتی اقدار۔ ایک مطالعہ (علی گڑھ: مکتبہ الفاظ،۱۹۷۹ء)
عنبر بہرائچی، سنسکرت شعریات،(لکھنؤ: یونائیٹڈ بلاک پرنٹس،۱۹۹۹ء)
فاخر حسین، مضامین جمالیات(لاہور: نگارشات،۱۹۸۸ء)
قاضی جمال حسین، جمالیات اور اردو شاعری،(لاہور: عکس پبلشرز،۲۰۱۹ء)
قاضی عبدالستار، جمالیات اور ہندوستانی جمالیات (علی گڑھ: ادبی پبلی کیشنز،۱۹۷۷ء)
ول ڈیورانٹ، ہندوستان (تاریخ، تہذیب، تمدن، فلسفہ)،(لاہور: تخلیقات،۱۹۹۶)

Melvin Rader, **A Modern Book Of Esthetics**, (London: Holt Rinehart And Winston, 1973),

Michel Foucault, **Madness and civilizations**, (New York: London House, 1977),